محترمہ ثریا بتول کیلانی

قسط (۲)

خاندانی منصوبہ بندی

اب یہاں اسی نقطۂ نظر سے قدرے تفصیل سے بحث کی جاتی ہے تاکہ ضبطِ ولادت کے حامیوں کے دلائل کا ابطال بھی ہو جائے۔

(۱) قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

"اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" (الاعراف: ۵۴)

"تخلیق بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے"

یعنی اس دنیا کا حقیقی فرمانروا اللہ تعالیٰ ہے۔ تین چیزوں کا تصرف اس نے مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، جیسے کہ فرمایا:

"تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" (الملک: ۱، ۲)

"وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں حقیقی فرمانروائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا ہے"

گویا یہ تین چیزیں پیدائش، زندگی اور موت ، مکمل طور پر اسی کے قبضۂ اقتدار میں ہیں۔ ان میں کوئی سرِ مُو ردّ و بدل نہیں کر سکتا۔ موت اپنے وقت پر آکر رہتی ہے اور روئے زمین کے تمام ڈاکٹر اور معالج مل کر بھی ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر نہیں کر سکتے، نہ وہ کسی کو موت کے چنگل سے چھڑا سکتے ہیں۔

یہ مسلمانوں کا مسلّمہ عقیدہ ہے۔ اگرچہ ہمیں اپنے عزیزوں کی موت سے سوگوار اور غمزدہ ہونا پڑتا ہے، مگر اس کو بدلنے کے لیے کوئی تدبیر نہیں کر سکتے۔ بعینہٖ پیدائش بھی

اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ جس رُوح کو پیدا کرنا چاہتا ہے روئے زمین کے تمام لوگ مل کر بھی اسے نہیں روک سکتے۔ اگر پیدائش کا معاملہ انسان کے اپنے بس میں ہے اور جس عورت کے ہاں بچے زیادہ پیدا ہوتے ہیں، اس کا علاج کرنا انسان کے قبضۂ قدرت میں ہے تو پھر وہ ان کروڑہا عورتوں کے بارے میں کیوں خاموش ہے جو صرف ایک بچہ کے لیے ترستی ہیں، کیوں نہ ایک ایک بچہ ان کے ہاں ہمارے ڈاکٹروں نے پیدا کر دیا؟ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیدائش کا معاملہ انسان کے اپنے بس کا روگ نہیں ہے، خصوصاً ایک مسلمان کے لیے تو کسی طرح زیبا نہیں ہے کہ وہ اس قسم کا عقیدہ رکھے کہ افزائشِ نسل کے سلسلہ میں ان کی اپنی سمجھ اور عقل کو بھی کچھ دخل ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ رزق کی تقسیم اپنی حکمت سے فرماتے ہیں کہ کسی کو تو بادشاہ بنا دیتے ہیں اور کسی کو نانِ شبینہ کا بھی محتاج کر دیتے ہیں، حالانکہ اللہ رب العزت کے خزانے بڑے وسیع اور بھرپور ہیں، بالکل اسی طرح اولاد کے معاملہ میں بھی وہاں ایک پلان تیار ہے اور اسی پلان کے تحت خلق کو نوازا جاتا ہے۔ کسی کو صرف لڑکے عطا فرماتا ہے، کسی کو صرف لڑکیاں۔ کسی کو لڑکے لڑکیاں ملاکر اور کسی کو بانجھ کر دیتا ہے:

"لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (الشوریٰ: ۴۹، ۵۰)

"آسمان و زمین کی بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے، جسے چاہے لڑکیوں سے نوازتا ہے، جسے چاہے لڑکے عطا کر دیتا ہے، یا پھر کسی کو لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے، بے شک وہ جاننے والا، قدرتوں والا ہے۔"

چنانچہ "رموزِ مملکت خسرواں دانند" کے مصداق وہ جس کو جس حال میں رکھے ہوئے ہے، اس کی حکمت سے وہ خود آگاہ ہے۔ دوسرے اس میں جرح کرنے والے کون ہوتے ہیں اور تنقید کرنے کا ان کو حق کیا ہے؟

(۲) یہ دلیل کہ وسائلِ خوراک روز بروز گھٹتے جا رہے ہیں۔ اور اگر آبادی اسی طرح بڑھتی رہی تو تمام انسان ایک روز بھوک اور قحط سے مر جائیں گے، اللہ تعالیٰ کی رزاقیت

اور ربوبیت پر براہِ راست حملہ ہے۔ جب سے دُنیا بنی ہے تاریخ عالم میں کوئی ایسا موقع نہیں آیا کہ دُنیا صرف خوراک کی کمی کی بنا پر تباہ و برباد ہوگئی ہو۔ ہاں:

(ا) سُنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب کسی قوم میں اللہ کی نافرمانی اور اس کی حدود سے سرکشی آخری حدوں کو چھُو جائے تو وہاں عذابِ الٰہی کے طور پر قحط نازل ہوتا ہے، زمین بنجر ہو جاتی ہے، بارش رُک جاتی ہے اور انسان بھُوک سے مرنے لگتے ہیں۔

اس کے برعکس جب کوئی قوم اللہ سے ڈرے، اس کی فرمانبرداری اختیار کرے تو آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے اس پر کھُل جاتے ہیں۔ اور خوشحالی اس حد تک اس کے قدم چومتی ہے کہ پھر زکوٰۃ وصول کرنے والا کوئی نہیں ملتا اور زکوٰۃ ادا کرنے والے حیران و پریشان ہو جاتے ہیں کہ زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟

"فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّٰتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَٰرًا ۝" (نوح: ۱۰، ۱۱، ۱۲)

"(حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ) اپنے رب سے بخشش مانگو، بیشک وہ بخشنے والا ہے۔ پھر وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا، تمہارے مال و اولاد میں برکت دے گا اور تمہیں باغات اور نہریں عطا فرمائے گا۔"

"وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ" (الاعراف: ۹۶)

"اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور اپنے رب سے ڈرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔"

(ب) اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی مخلوق کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ وہ ان کا رب بھی ہے۔ اور ان کی پرورش کے سلسلہ میں جُملہ ضروریات و حاجات کو بھی وہ پورا فرماتا ہے۔ وہ حیّ و قیوم ہستی جو خود زندہ جاوید ہے اور کارخانۂ قدرت کی زندگی جب تک چاہے برقرار رکھنے والی ہے، بھلا اپنی مخلوق کی ضروریات سے کیونکر غافل

وعاجز ہوسکتی ہے۔ انسان کے لیے اس دنیا میں سب سے ضروری چیز ہوا ہے، جس کے بغیر اس کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ یہ ہر انسان بلکہ ہر ذی روح کو ہر جگہ میسر ہے۔ اور آج تک دُنیا میں کوئی انسان صرف اس وجہ سے مرتے نہیں پایا کہ اس میں کمی واقع ہوگئی ہو یا اسے دستیاب نہ ہوئی ہو۔ دوسری بنیادی ضرورت پانی ہے تو اس کی بھی قدرت نے بہتات رکھی ہے کہ پورے کرۂ ارض میں صرف ایک حصّہ خشکی ہے جب کہ زمین کا باقی ۳/۴ حصّہ سمندر ہے۔ کیا انسان کی پانی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے دنیا کا ۳/۴ حصہ سمندر ناکافی ہے؟ اور کیا کبھی کوئی شخص صرف اس وجہ سے بھی ہلاک ہوا کہ پانی اس دنیا میں ناپید ہوگیا تھا؟

تیسرے نمبر پہ انسان کی بنیادی ضرورت خوراک ہے، تو دیکھیے کہ یہ خوراک ہمیں کن بے شمار ذرائع سے حاصل ہورہی ہے؟ درخت، پودے، کھیت، پھل، اناج، ترکاریاں، دالیں، مچھلی، گوشت، مکھن، گھی، دودھ وغیرہ۔ پھر اس قدرت نے ہماری زمین کو معدنیات سے مالامال کر رکھا ہے۔ سونا، چاندی، مٹی کا تیل، سلور، تانبا، جپسم، لوہا، کوئلہ وغیرہ۔ کل کے مفلس و نادار عرب آج تیل کے چشموں کی بدولت مالامال ہوچکے ہیں۔ ایک ایک کھیت سے اب سال میں کئی کئی فصلیں حاصل ہورہی ہیں۔ مشینوں کی مدد سے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل ہورہی ہے۔ اور وسائل کا سب سے اہم اور تاقیامت ختم نہ ہونے والا ذریعہ خود حضرتِ انسان ہے۔ انسانی دماغ اور انسانی محنت، کام کی لگن، ہر ماحول میں ڈھل جانے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اہلیت، پھر ضرورت کے مطابق ایجاد کرلینے کا ملکہ، فطرت کے گراں قدر عطیے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے انسان وسائل کی کمی کا کبھی گلہ نہیں کرسکتا۔ یاد رکھیے کہ انسان تو وسائل اور سرمایہ پیدا کرلیتا ہے مگر سرمایہ یا وسائل انسان کو پیدا نہیں کرسکتے۔

کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ پوری دنیا کا قابلِ کاشت رقبہ استعمال ہوچکا ہے؟ کیا کوئی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ زمین اپنی ساری معدنیات اُگل چکی ہے اور آئندہ کے

لیے بانجھ ہو چکی ہے؟ یہ اب کچھ پیدا کر سکتی ہے نہ اپنے اندر سے کوئی معدن اُگل سکتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کوشش اور جدوجہد کی افزونی کے ساتھ ساتھ زمین ہر روز اپنے راز ہائے سربستہ ہمارے سامنے کھول رہی ہے، اور ابھی بہت سے راز اس کے سینے میں محفوظ ہیں، جنھیں بنی آدم کوشش کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ مجھے کہنے دیجیے کہ زمین کا ہمارے لیے وسائلِ خوراک سے معمور ہونا کوئی اتفاق نہیں ہے، بلکہ یہ اس ربّ جل و علا کی منصوبہ بندی اور حکمتِ عملی ہے۔ وہ اپنے کارخانہ میں، مخلوق میں جتنا اضافہ کرتا ہے، ان کے وسائلِ غذا کو بھی اسی نسبت سے پیدا کرتا اور بڑھاتا رہتا ہے۔ اگر ہم راسخ العقیدہ مسلمان ہیں تو پھر ہمارے ذہن میں یہ بات کس طرح آسکتی ہے کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے وسائلِ خوراک گھٹتے جا رہے ہیں، اور پھر لطف یہ کہ مالتھس کے سترھویں صدی میں پیش کیے گئے اس نظریہ کو کہ دُنیا عنقریب وسائلِ خوراک کی کمی یا خاتمہ کی بنا پر ہلاک ہو جائے گی، تاریخ انسانی کس طرح باطل قرار دے چکی ہے!

ہم پاکستانیوں کو ڈرایا جاتا ہے کہ تھوڑی مدت کے بعد ہماری آبادی موجودہ آبادی سے دوگنی ہو جائے گی۔ پھر ہم ایک دوسرے کو کھانا شروع کر دیں گے اور قحط و بربادی ہمارا مقدر ہو گا۔ مگر ہمارا ایمان ہے کہ دنیا میں جو علاقے قحط کا شکار ہو رہے ہیں، وہ اس لیے نہیں ہو رہے ہیں کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے خزانۂ عامرہ میں سے خوراک ختم ہو چکی ہے، بلکہ اس کے متعدد دوسرے اسباب ہیں جن میں سے نمایاں ترین سبب یہ ہے کہ ان کی دولت کو ترقی یافتہ ممالک سائنٹیفک بنیادوں پر اپنے ہاں منتقل کر رہے ہیں اور ہمہ جہت استیصال کے ذریعہ ان کو قلاش کر رہے ہیں۔ بنگلہ دیش ہی کو لیجیے جو دُنیا کا زرخیز ترین خطّہ ہے، مگر دُشمنوں نے اس خطّہ کو آج کس بُری طرح بدحالی میں مبتلا کر رکھا ہے۔

۲۔ ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے رہائش کی جگہ روز بروز کم ہو رہی ہے، یہ دلیل بھی بے وزن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی یہ بندوبست کر رکھا ہے کہ جو متنفّس اس دُنیا میں آیا ہے، اسے لازماً اس دارِ فانی سے کوچ کرنا ہے تاکہ وہ آئندہ نسل کے لیے جگہ خالی کر جائے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ

کتنی بڑی نعمت کے طور پہ یاد دلاتے ہیں:

"قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ ط خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ لا ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ لا ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ لا

(عبس: ۱۷ تا ۲۱)

"انسان پہ اللہ کی مار ہو، کیسا ناشکرا ہے؟ (وہ سوچتا نہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے اُسے کس چیز سے پیدا فرمایا؟ نطفہ سے اس کو پیدا کیا، پھر اس کی تقدیر بنائی، پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا۔ پھر اس کو مار کر قبر میں دفن کر دیا۔"

دنیا میں ہر وقت زلزلے، سیلاب، طوفان، حادثات اور دیگر ارضی وسماوی آفات آتی رہتی ہیں، جس سے آبادی میں توڑ پھوڑ جاری رہتی ہے، اور اب حضرت انسان کے تیار کردہ مُہلک ہتھیار جو ایک ہی وار میں پوری دنیا کو صفحۂ ہستی سے نابود کر سکتے ہیں، سونے پر سہاگہ ہیں۔ آبادی میں شکست وریخت جاری رہنے کے باوجود انسان کو یہ گلہ ہے کہ زمین اس کی رہائش کے لیے روز بروز تنگ ہو رہی ہے۔ برّ اعظم آسٹریلیا تو کچھ عرصہ قبل ہی دریافت ہوا ہے۔ اور خدا معلوم ابھی زمین پر کتنے قابلِ رہائش خطے موجود ہیں جن کو عنقریب قدرت ہمارے سامنے کھول کر رکھ دے۔ اور پھر معروف دنیا کا بھی وسیع حصہ صحراؤں پر مشتمل ہے جو انسانی کاوش کے ذریعہ قابلِ رہائش بن سکتا ہے۔ خود اپنے پاکستان میں کراچی سے پشاور تک سفر کر کے دیکھ لیں کہ ابھی تک کاشت کے قابل اور رہائش کے قابل کتنا رقبہ خالی پڑا ہے؟ پھر ابھی سائنٹیفک طریقوں سے زراعت شروع بھی نہیں ہوئی۔ اگر جدید ذرائع استعمال میں لائے جائیں تو موجودہ زیرِ کاشت زمین سے ہی چار گنا زیادہ خوراک حاصل ہو سکتی ہے۔

(۴) اس سلسلہ میں ایک وزنی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس سے ماں اور بچہ کی صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اگر یہ دلیل معقول ہے تو پھر وہ عورتیں کیوں سدا کی مریض رہتی ہیں جن کے ہاں ایک بھی بچہ پیدا نہیں ہوتا اور جو ہر وقت اپنے علاج کے لیے پانی کی طرح پیسے بہاتی رہتی ہیں۔ یا وہ عورتیں جن کے ہاں پانچ چھ سال کے وقفہ سے اولاد ہوتی ہے، وہ کیوں بیمار ہوتی ہیں۔ کنواری لڑکیوں کی صحت کیوں گری رہتی ہے اور پھر مرد کیوں بیمار ہوتے ہیں؟

مجھے کہنے دیجیے کہ آج ہمارے ملک میں معدودے چند لوگوں کے سوا تقریباً ہر آدمی بیمار ہے۔ خواہ وہ جوان ہے یا بوڑھا، عورت ہے یا مرد، بچہ ہے یا جوان، ہر گھر کا حکیم یا ڈاکٹر موجود ہے۔ پھر شہروں کے لوگ دیہاتیوں کی نسبت زیادہ بیمار ہوتے ہیں۔ اس ہمہ گیر زوالِ صحت کی اصل وجہ تکلّفات کی زیادتی، سادہ اور فطری زندگی سے فرار، ورزش کی کمی اور خوراک کا ناخالص ہونا ہے۔ اور پھر دلیل میں صحیح وزن تب پیدا ہوگا جب آپ یہ ثابت کر دیں کہ جو عورتیں ضبطِ ولادت کے لیے دوائیں استعمال کر رہی ہیں یا جو مرد اس غرض کے لیے ٹیکے لگواتے ہیں، اُن کی عام جسمانی صحت متاثر نہیں ہوتی، بلکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ ایسی دواؤں کے استعمال سے عورتوں کے جسم پھول رہے ہیں، دل کمزور ہو رہے ہیں، رحم زخمی پڑ چکے ہیں، بے قاعدگیِ ایام عام ہو چکی ہے، مردوں کے رنگ اور خون سڑ چکے ہیں اور چہرے کی فطری رونق ختم ہو چکی ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ ضبطِ ولادت کے سلسلہ میں بعض ایسی چیزیں مستعمل ہیں جن سے طبعِ انسانی اِبا کرتی ہے اور اس طرح یہ زوجین کی خواہش فطری طریقے سے پوری کرنے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ چنانچہ اس بنا پر مردوں اور عورتوں میں ایک مستقل ہیجان کی سی کیفیت ہمہ وقت موجود رہتی ہے، جس کے بہت سے نفسیاتی، طبی اور اعصابی مضر اثرات نمودار ہوتے رہتے ہیں، بلکہ بعض اوقات نوبت پاگل پن تک پہنچ جاتی ہے۔

تیسری حقیقت یہ ہے کہ:

ضبطِ ولادت کی کوئی دوا بھی سو فیصدی کامیاب نہیں ہے۔ ان کو استعمال کرنے والی عورتوں کی اکثریت طرح طرح کے امراض کا شکار ہے اور کئی عورتیں تو ایسی کوششوں میں اپنی جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھی ہیں[۱]۔ بعض دفعہ ایسی دواؤں کے باوجود جب حمل قرار

---

[۱] پروفیسر ڈاکٹر فخر النسا، جو فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی پرنسپل اور امراضِ نسواں کی ماہر ہیں، انھوں نے کہا کہ ہماری خواتین میں اسقاطِ حمل کی شرح بیس فیصد ہے جو کسی بھی یورپی ملک سے کہیں زیادہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ جان بوجھ کر حمل کو روکنے کی خاطر جو اسقاطِ حمل کرایا جاتا ہے، وہ خواتین کی اموات کا بڑا سبب ہے۔ انھوں نے ان خواتین پر افسوس کا اظہار کیا جو اسقاطِ حمل کی وجہ سے شدید مشکلات میں پھنس جاتی ہیں۔ (نوائے وقت، لیڈی رپورٹر، یکم اگست ۱۹۹۱ء)

پایا جاتا ہے تو پھر وہ اسقاطِ حمل کی تدبیریں کرتی ہیں، جن سے اکثر ان کی جان پر بن جاتی ہے۔ اور اگر خوش قسمتی سے بچ بھی جائیں تب بھی آئندہ حمل کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان دواؤں کے استعمال سے لُولے، لنگڑے، اندھے اور اعضاء بریدہ بچے پیدا ہونے لگتے ہیں۔

ہر بچہ جو اس دنیا میں رونق افروز ہوتا ہے، وہ اپنی قسمت ساتھ لے کر آتا ہے۔ چنانچہ وہ ابھی شکمِ مادر ہی میں ہوتا ہے کہ اس کے لیے روزی کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں اور اس کے لیے تمام عمر کے رزق کا حساب لکھ دیا جاتا ہے۔ میرا ذاتی مشاہدہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کثیر العیال بنایا اور اُنھوں نے زیادتیٔ اولاد کو اللہ کا احسان اور رحمت شمار کیا، ان کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑے سے ہی عرصے میں رزق سے بھی مالامال کر دیا۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اس کے لیے زوجین کو محنت کرنا پڑتی ہے۔ عورت کے لیے جہاں چھوٹے چھوٹے بچوں کی پرورش محنت طلب کام ہے، وہاں مرد کے لیے کما کر لانا بھی محنت اور مشقت طلب کام ہے۔ چنانچہ اسلام میں اپنے اہل و عیال کی خاطر رزقِ حلال کی طلب کو بھی ایک اہم فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ جتنے بچے زیادہ ہوں گے اتنی ہی وہ زیادہ محنت کرے گا اور وسائل کی تلاش میں رہے گا جس سے ملک کی معاشیات پر براہِ راست اثر پڑتا ہے اور اس طرح جدّوجہد اور محنت کی بھی راہیں کھلتی ہیں۔

دوسری طرف اگر بچے کم ہوں گے تو آدمی محنت بھی کم کرے گا اور عمداً سستی اور کوتاہی سے کام لے گا۔ بلکہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اولاد کی نعمت سے یکسر محروم ہوتے ہیں، وہ یہی سوچتے ہیں کہ ہم کام کریں بھی تو کس کے لیے؟ فطری طور پر یہ نکمے بن جاتے ہیں۔ اس کا ملک کی معاشیات پر بُرا اثر پڑتا ہے اور وسائلِ پیداوار میں کمی آجاتی ہے۔

تصویر کا ایک اور رخ بھی ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بھی بیکار پیدا نہیں کی۔ جو ذی روح بھی اس دنیا میں وارد ہوتا ہے وہ اپنے ایک پیٹ کے ساتھ ایک دماغ، دو ہاتھ اور دو ٹانگیں بھی رکھتا ہے۔ پہلے کچھ دیر تو وہ دوسرے کے سہارے پر اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے سنِ رشد کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے بھی اپنے دماغ سے سوچ سمجھ کر، اپنی عقل و فہم سے اور اپنے دست و بازو سے کام لے کر اپنی زندگی کے لیے خود جدّوجہد کرنا پڑتی ہے۔ اسے نہ صرف اپنا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے بلکہ اس پر بھی

بیوی اور بچوں کا بوجھ پڑ جاتا ہے۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

"وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا" (ھود: ٦)

"روئے زمین پر چلنے پھرنے والے ہر ذی روح کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔ وہ جہاں رہتا ہے اُسے بھی جانتا ہے، اور جہاں اسے دفن ہونا ہے اُسے بھی جانتا ہے۔"

لیکن مشکل یہ ہے کہ اس مادی دنیا میں ہمارے پاس توکل کا سرمایہ نہیں رہا، اپنے رب کی ربوبیت اور رزاقیت پر اعتماد باقی نہیں رہا۔ اس کے برعکس سارا بھروسہ اپنے زورِ بازو پر رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کھیتوں اور جانوروں کی پیداوار میں افزائش پر زور دیتے ہیں، کیوں کہ اس سے نفع عاجلہ حاصل ہوتا ہے، مگر اپنی نسل کی افزائش سے گھبراتے ہیں کہ اس سے کسی نفع عاجلہ کی توقع نہیں ہوتی بلکہ الٹا اس پر محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے۔

اسلام نے قناعت اور اعتماد علی اللہ پر بڑا زور دیا ہے، لیکن آج ہماری زندگی سے یہی قناعت رخصت ہو چکی ہے۔ کپڑوں کے دو جوڑوں میں ہم گزارا نہیں کر سکتے۔ چھوٹا موٹا کھا کر اپنا پیٹ نہیں بھر سکتے، معمولی مکانوں میں ہم نہیں رہ سکتے۔ بلکہ خوب ترکی خواہش اور جستجو جو ہمیں دین میں مطلوب تھی، اس کا رُخ اب دنیا کی طرف پھر گیا ہے اور اپنی دنیا بہتر بنانے کی خواہش نہ کسی غریب کو چین سے بیٹھنے دیتی ہے نہ کسی امیر کو۔ جس کے پاس دو پیسے ہیں وہ ہر وقت ان کے چار پیسے بنانے کی فکر میں ہے۔ اور جس کے پاس دو کروڑ ہیں وہ ہر وقت ان کو چار کروڑ بنانے کی فکر میں ہے۔ یہ معیار بلند کرنے کی ہوس ہی ہمیں سکھاتی ہے کہ تم صرف دو تین بچوں کا معیار ہی بلند رکھ سکتے ہو۔ اگر بچے اس سے زیادہ ہوئے تو نہ ان کا معیار بلند ہو سکے گا، نہ ان کو رہنے سہنے کے عمدہ آداب سکھائے جا سکیں گے اور نہ عمدہ کوٹھی میں رہائش ممکن ہو سکے گی۔ پھر ان کے مستقبل کے لیے بیمہ اور بینک بیلنس کا اہتمام نہ ہو سکے گا، ان کا بہتر آغازِ زندگی ممکن نہ ہوگا، ان کے لیے آراستہ پیراستہ WELL FURNISHED کوٹھیاں ممکن نہ ہو سکیں گی، نہ ان کے لیے خاصی جائیداد چھوڑی جا سکے گی۔ اللہ اللہ اپنی عاقبت کی فکر چھوڑ کر اپنی اولاد کے مادی مستقبل

کے متعلق اتنے اندیشے؟۔ انھی دور دراز کے اندیشوں میں مبتلا ہو کر انسان ضبطِ ولادت کرتا ہے، مگر اُسے کیا معلوم کہ آئندہ پردۂ غیب سے کیا نمودار ہونے والا ہے؟ عین ممکن ہے کہ کوئی شخص دو بچوں کے بعد اپنا مستقل علاج کرلے اور دوسری طرف دونوں یا ایک کسی ناگہانی مصیبت کا شکار ہو جائے، پھر وہ ساری عمر کے لیے ہاتھ ملتا رہ جائے، مگر کوئی چارہ کارگر نہ ہو سکے۔

شیطان نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر رکھا ہے:

”وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ“ (النسآء: ۱۱۹)

”میں اُن کو حکم دوں گا تو وہ اللہ کی مخلوق میں تبدیلی کرنے لگیں گے“

یقین مانیے کہ یہ شیطان کا وہی وعدہ ہے۔ ہم اسی کے دامِ فریب میں پھنسے ہوئے اللہ کی مخلوق کو بدلنا چاہتے ہیں۔ وہ جتنی نسل بڑھانا چاہتا ہے ہم اس کے آگے بند باندھ رہے ہیں ——— مگر ہماری نادانی ہمیں یہ معلوم نہیں ہونے دیتی کہ ہم اس خدائی نظام کو بدل کر اپنے لیے چند در چند اُلجھنوں کا اضافہ کرلیں گے، مگر اس سے خدائی نظام میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔

پھر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ صرف دو بچے ہونے سے رزق وافر ہو جائے گا، اور زیادہ بچے ہونے سے رزق لازماً تھوڑا ہی رہے گا؟ کیونکہ:

”اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا“ (بنیٓ اسرآئیل: ۳۰)

”یقیناً آپ کا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، یقیناً وہ اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور دیکھنے والا ہے“

پس واضح ہوا کہ یہ فیصلہ اس کی صوابدید پر ہے کہ کسے امیر بنایا جائے اور کسے غریب رکھا جائے؟ اور پھر اس کے فیصلہ کو بدلنا بھی کسی اور کے بس کا روگ نہیں ہے۔

پھر ایک اور نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ قوم کو اگر سادگی اور کام۔ کام مسلسل کام پر ابھارا جائے، کام چوری، فضول خرچی اور رشوت جیسی برائیوں کے انسداد کے لیے ذرائعِ ابلاغ پوری کوشش کریں تو عین ممکن ہے کہ نتائج خوشگوار رہیں۔ باقی رہ گیا پاکستان تو

اس کو تو ابھی پوری طرح رونق پذیر ہونے کے لیے کافی آبادی کی ضرورت ہے تاکہ نہ صرف یہ کہ پاکستان میں کاروبارِ حیات زور پکڑے، بلکہ اس لیے بھی کہ پاکستانی دوسرے ممالک میں جا کر دوسروں کی تعمیر و ترقی میں بھی ان کا ہاتھ بٹائیں اور اس کرۂ ارض کو انسانی آبادی کے لیے بہترین مقام بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

(۷) باقی رہ گئی بات قومی خدمت کی کہ جس خاندان کے صرف دو بچے ہوں گے وہ قوم کی بہتر خدمت کر سکے گا، قومی خدمت آخر کس چیز کا نام ہے جو بچے زیادہ ہونے سے از خود غائب ہو جاتی ہے، قوم کی خدمت انجام دینے سے مراد ہی یہ ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنا فریضہ کما حقہٗ ادا کرے۔ اور اپنے فرض کی ادائیگی میں کسی تساہل سے کام نہ لے۔

عورت پر قوم کی طرف سے جو فریضہ عائد ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ تندرست بچوں کو جنم دے اور صحیح خطوط پر ان کی تربیت کرے۔ اس کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ قوم کے دفتروں اور کارخانوں میں کام کرے، ملک کا دفاع کرے، کرسئ عدالت پر بیٹھے یا ملک کی سربراہ بنے۔ بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ وہ قوم کے دفتروں اور کارخانوں میں کام کرنے والے مخلص کارکن، ملک و ملّت کا دفاع کرنے والے نڈر مجاہد، ملک کا انتظام کرنے والے دانشور لیڈر، بے لاگ عدل و انصاف کرنے والے عادل جج اور دین میں گہری بصیرت رکھنے والے عالم فاضل مہیا کرے۔ اپنے ہر بچے کو مخلص مومن، دینِ اسلام کا سچا خادم اور محبِ وطن بنائے۔ اس کے برعکس جو عورت گھر بار چھوڑ کر دفتروں اور بازاروں میں نکلتی ہے، وہ اپنا گھر بار تو تباہ کرتی ہے، اور مردوں کو بیکار بناتی ہے مگر باہر جا کر محنت کا اصل معیار بھی گرا دیتی ہے۔ اس طرح اس کے باہر نکلنے سے تین گنا نقصان ہوتے ہیں۔

انسان بہتر قومی خدمت صرف سیاست دان یا لیڈر بن کر ہی نہیں کر سکتا، بلکہ وہ زندگی کے جس شعبے سے بھی منسلک ہے وہاں وہ اگر ایمانداری، محنت، خلوص اور لگن سے اپنا کام انجام دیتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں قوم کی خدمت کر رہا ہے۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ گھر قوم کی اکائی ہے۔ اگر گھر کے افراد مطمئن ہیں تو قوم بھی مطمئن ہے، لیکن اگر عورت کی بیرونِ خانہ ذمہ داریوں کی بنا پر گھر سکون اور چین سے محروم ہوتے ہیں تو قومی سطح پر سکون و چین کیسے نصیب ہو سکتا ہے؟

(جاری ہے)